☆ڈاکٹر محمد اظہار الحق

گومل یونیورسٹی

ایکٹ کی دفعہ 39 کی شرعی حیثیت

کسی ادارے کے نظام کو درست طریقہ پر چلانے کیلئے پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کا نام ایکٹ ہے۔ یہ قوانین ادارے اور اس کے ملازمین کی فلاح و بہبود کیلئے بنائے جاتے ہیں۔ اس قانون کی وساطت سے اجتماعی شیرازہ بندی ہوتی ہے، مظالم کی روک تھام ہوتی ہے، حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے (اور) عدل کو قائم کیا جاتا ہے۔[1] تاہم انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے اغراض اور نظر محدود ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں سقم رہ جاتا ہے۔ نتیجتاً دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں اور انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔ حقوق اور انصاف کے حصول کے تقاضے اگر کہیں پورے ہو سکتے ہیں تو وہ الہامی قوانین ہیں جو زبان، رنگ و نسل، جغرافیائی حدود و قیود سے آزاد اور خودغرضی اور کوتاہ نظری سے بالاتر ہیں۔ ان کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں .... یہاں زیر بحث صوبائی اسمبلی کے پاس کردہ گومل یونیورسٹی ایکٹ کی دفعہ 39 ہے اور اسے انہی الہامی قوانین کی روشنی میں دیکھنا ہے کہ آیا یہ انصاف کے تقاضے پورے کرتا ہے؟

گومل یونیورسٹی ایکٹ کی دفعہ 39 کے مطابق وائس چانسلر اگر کسی ملازم کو کوئی سزا دیتا ہے تو ملازم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یونیورسٹی سنڈیکیٹ میں اس سزا کے خلاف اپیل دائر کرے۔ یہ اپیل وائس چانسلر ہی کے ذریعے کی جائیگی۔ اس ایکٹ کی دفعہ 21 کے مطابق وائس چانسلر اس مجلس (سنڈیکیٹ) کا چیرمین بھی ہے جس کی سربراہی میں اجلاس منعقد ہوتا ہے اور جس کی زیر صدارت

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

سنڈ یکیٹ کی نشست میں اپیل بھی زیرغور ہوگی۔اگر چہ کہ سنڈ یکیٹ کوغور کے بعد سزا کومنسوخ کرنے، ترمیم کرنے یا اسے برقرار رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وائس چانسلر کی موجودگی، جبکہ وہ فریق قضیہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجلس کا چیرمین بھی ہے، فیصلے پر اثر انداز نہیں ہوگی اور انصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں گے، خاص کر جبکہ سنڈ یکیٹ کے بعض ممبران اسکی نامزدگی سے ایوان مذکورہ کے ممبر بنتے ہیں اور پروفیسرز کے نمائندے اس کے براہ راست ماتحت ہوتے ہیں؟

مسئلہ پر بحث سے پہلے ایکٹ کی دفعات نمبر 39 اور نمبر 21 کو اس کے اپنے الفاظ میں دیکھتے ہیں:

39: Appeal to and review by the Syndicate.

Where an order is passed punishing any officer, other than Vice Chancellor, teacher or other employee of the University or altering or interpreting to his disadvantage the prescribed terms of condition of his service, he shall, where the order is passed by the Vice Chancellor or any other officer or teacher of the University have the right to appeal right to apply to the Chancellor. The appeal shall be submiteed to the Vice Chancellor and he shall lay it before the Syndicate or, as the case may be, before the Chancellor, with his views.

21. Syndicate

(1) The Syndicate shall consist of:

(I) the Vice Chancellor, who shall be its Chairman;

(II) one member of the Provincial Assembly to be nominated by the Speaker of the Assembly;

(III) two members of the Senate to be elected by the Senate;

(IV) the Chief Justice of the Peshawar High Court; or a

judge of the Hight Court nominated by him;

(V) Education Secretary, Government of the N.W.F.P. Ex-officio;

(VI) One nominee of the University Grants Commission;

(VII) One Dean to be nominated by the Chancellor on the recommendation of the Vice Chancellor;

(VIII) One Professor one Associate Professor, of the University to be elected by the Professors and Associate Professors of the University, as the case may be, from amongst themselves;

(IX) One Assistant Professor and one Lecturer of the University to be elected by the Assistant Professors and Lecturers of the University, as the case may be, from amongst themselves;

Provided that a lecturer shall be eligible for election if he has completed a minimum of two years' service in the University

(X) three persons of eminence to be nominated by the Chancellor,

(XI) one Principal of the affiliated colleges to be nominated by the Chancellor,

(XII) the President of the University Students' Union;

(XIII) one Alim to be nominated by the Chancellor; and

(XIV) one woman to be nominated by the Chancellor.(۲)

کسی مسئلے کے دو فریق ہوا کرتے ہیں ایک مدعی یا Accuser اور دوسرا ملزم یاAccused۔ان کا معاملہ اگر باہمی افہام وتفہیم سے حل نہ ہونے والا ہوتو اس کے حل کیلئے شریعت ایک تیسرے فریق کا تقرر کرتی ہے جسے پنچ، حکم یا قاضی وجج کہا جاتا ہے۔ یہ بلاکسی امتیاز فریقین کے بیانات سنتا ہے اور دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا ہے۔ پھر تفویض شدہ یا قانونی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے فیصلہ سناتا اور (اگر ممکن ہو) اس پر عمل درآمد کراتا ہے۔

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پنچ یا حکم کے اختیارات کی بھی وضاحت ہو جائے۔۔۔۔۔"حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فیصلوں کی جو نظیریں ہم تک پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات پنچ مقرر کرتے ہوئے عدالت کی طرف سے ان کو حاکمانہ اختیارات دیتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ پنچ بطور خود تو عدالتی اختیارات نہیں رکھتے البتہ اگر عدالت ان کو مقرر کرتے وقت اختیار دے دے تو پھر ان کا فیصلہ ایک عدالتی فیصلے کی طرح نافذ ہوگا۔"(۳)

مذکورہ مسئلے کا شرعی جائزہ لینے کیلئے ہمیں قرآن وسنت اور سیرت خلفاء راشدین کی طرف رجوع کرنا ہے تاکہ اس کی روشنی میں اس کی حیثیت کا صحیح صحیح تعین کیا جاسکے۔

سب سے پہلے جب ہم قرآن کریم پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں مدعی، ملزم اور حکم یا قاضی کے تین فریق نظر آتے ہیں۔

پہلا موقع جہاں قرآن باہمی نزاعات کا ذکر کرتا ہے وہ سورۃ النساء میں زوجین کا باہمی تنازعہ ہے کہ ان کا تنازعہ اگر سنگین صورت اختیار کرتا ہے۔تو ایسی حالت میں تیسرے فریق کو تحکیم کی ذمہ داری سونپنے کا حکم ہے جو فریقین کے بیانات سننے کے بعد مناسب فیصلہ کرے گا۔قرآن کے الفاظ میں:

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً من اهله و حکماً من اهلها۔(۴)

ترجمہ:(اگر تمہیں ان (میاں بیوی) کے درمیان تعلقات بگڑنے کا اندیشہ ہو تو ایک

حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔)

یہاں فریقین کا اگر چہ قریبی رشتہ و تعلق ہے اور شوہر کو بیوی پر قوام (نگران) ہونے کی حیثیت سے یک گونہ برتری بھی حاصل ہے۔(۵) لیکن جب تحکیم ہو یا فیصلہ کرنے والے ادارے میں مقدمہ پیش ہو تو کسی کی فضیلت کو نہیں دیکھا جائیگا بلکہ فریقین کے ساتھ برابری اور مساوات کا برتاؤ روا رکھا جائے گا نیز فریقین پر فی نفس الوقت اس تیسرے فریق کو بالادستی حاصل ہوگی۔

سورہ ص میں داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک تمثیلی مقدمہ پیش ہوتا ہے، جس میں وہ تیسرے فریق کی حیثیت سے بطور قاضی فیصلہ سناتا ہے۔ارشاد ہے:

> بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واھدنا الی سواء الصراط۔ ان ھذا أخی له تسع و تسعون نعجة ولی نعجة واحدة فقال اکفلنیھا و عزنی فی الخطاب۔ قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجه۔(۶)
>
> ترجمہ:" ہم دو فریق ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے، بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہ راست بتایئے۔ یہ میرا بھائی ہے۔اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں۔اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔اس نے مجھ سے کہا کہ" یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔" داؤد نے جواب دیا:"اس نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے۔"

اس معاملے میں فریقین اپنا مقدمہ ایک تیسرے بااختیار و بااقتدار فریق کے سامنے پیش کرتے ہیں۔دونوں میں سے کوئی بھی فیصلہ سنانے والے تیسرے فریق کا حصہ نہیں ہے۔وجہ ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف وہ فریق مقدمہ ہو اور دوسری طرف کرسی عدالت پر بھی بیٹھا ہو تو عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہونے میں رکاوٹ پڑ سکتی ہے۔

تیسرا مقام سورۃ الحجرات ہے جہاں افراد کی بجائے دو گروہوں کی مثال سامنے رکھی گئی

ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بینهما فإن بغت احداهما علی الأخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امراللّٰه۔ فان فاءت فأصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا۔(۷)

ترجمہ:"اگر مومنین کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنیوالے کے خلاف لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔پس اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ صلح کراؤ۔

یہاں ایک تیسرے فریق کو تحکیم اور صلح کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور اسے حق کا ساتھ دینے اور زیادتی کرنے والے کو صلح پر آمادہ کرنے یا بصورت دیگر اسے سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم سنت نبویؐ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس طرح کی مثالیں نہیں ملتیں۔کہ کسی فریق نے پیغمبر کے فیصلے کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہو۔تاہم اگر کسی نے یہ جرأت کی بھی ہے تو اس کے ایمان کے خلاف اللہ تعالی کی جانب سے فیصلہ آ گیا ہے۔(۸) حضور علیہ السلام کے دور میں ایسی مثالیں نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اللہ تعالی کی جانب سے مامور ہوتا ہے اور اس کی بات درحقیقت اللہ تعالی کا حکم ہوتا ہے جس طرح کہ ارشاد ہے:

وما ینطق عن الهوی ان هوالا وحی یوحی(۹)

ترجمہ:"وہ اپنی خواہشات نفس سے بات نہیں کرتا بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اسے کیجاتی ہے۔پھر رسول اللہ کو اللہ تعالی کا یہ حکم ہوتا ہے کہ:

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللّٰه(۱۰)

ترجمہ:"ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ جو راہ راست

اللہ نے تمہیں دکھائی ہے، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔"

یعنی پیغمبر جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالی کے بتائے ہوئے راستے اور حق کے مطابق کرتا ہے نہ کہ اپنی پسند و ناپسند پر یا خواہشات نفس کی بنیاد پر۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فیصلے کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کے بعد فریق نہیں بن سکتے۔ ان کے فیصلے یا حکم پر عدم اعتماد درحقیقت اللہ تعالی کی ذات پر عدم اعتماد کا اعلان ہے اور رسول اللہ کی مخالفت درحقیقت اللہ تعالی کی مخالفت تصور ہوتی ہے۔

جس طرح پہلے اشارہ کیا گیا ہے ایک آدھ واقعہ ہمیں ملتا ہے۔ مجاہد اور شعبی کے بقول ایک منافق جس کا نام بشر تھا اور ایک یہودی کے درمیان تنازعہ ہوا منافق یہود کے رئیس کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانا چاہتا تھا جبکہ یہودی نے رسول اللہؐ سے فیصلہ کرانے پر اصرار کیا۔ مجبور ہو کر منافق نے اسے قبول کیا اور حضورؐ کے پاس دونوں آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد منافق فیصلے کیلئے عمرؓ کے پاس آئے۔ یہودی نے کہا کہ محمدؐ نے فیصلہ میرے حق میں دے دیا تھا مگر یہ اس فیصلے پر راضی نہیں ہے اور آپؓ کے پاس آیا ہے۔ عمرؓ نے منافق سے اس کی تصدیق کرائی۔ چنانچہ کہا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ عمرؓ تلوار لیکر نکلے اور منافق کو قتل کر دیا اور کہا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہو۔ میں اس کا فیصلہ اس طرح سے کرتا ہوں۔ (۱۱)

عمرؓ کا یہ فیصلہ شاید اس بنا پر تھا کہ ذیل کی آیت کے مطابق وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو کر مرتد ہو چکا تھا اور اس کی سزا قتل ہے۔ آیت یہ ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی أنفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیماً (۱۲)

ترجمہ: "نہیں، اے محمدؐ، تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کریں۔

تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کے بعد فریق نہیں بن جاتا۔ اس کے فیصلے پر ناپسندیدگی کا مطلب اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے جس کا کوئی بھی مؤمن جرأت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سنت رسول میں اس قسم کے واقعات نہیں ملتے...... تاہم خلفاء راشدین کے دور میں ہمیں اس طرح کی مثالیں ضرور ملتی ہیں۔

خلفاء راشدین کے دور میں جو واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں ان سے مسئلہ زیر بحث کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے پہلا واقعہ عہد فاروقی کا ہے جس کا براہ راست تعلق عمر فاروقؓ کی ذات سے ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ:

ایک دفعہ عمرؓ اور ابی بنؓ کعب کا مقدمہ قاضی مدینہ زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ جب عدالت میں حاضر ہوئے تو حصرت زیدؓ نے تعظیماً اپنی نشست آپ کیلئے فارغ کر دی۔ عمرؓ نے کہا کہ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمے میں کی۔ یہ کہہ کر آپ اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ مقدمے میں عمرؓ نے حلف اٹھانا تھا جس پر زیدؓ نے ابیؓ سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ تو عمرؓ اس پر غصہ ہوئے اور کہا: زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔ (۱۳)

اس سے واضح ہوا کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کیلئے حاکم اور محکوم، افسر اور ماتحت، مدعی اور ملزم دونوں میں برابری ضروری ہے۔ کسی ایک فریق کی تعظیم اور فریقین میں حفظ مراتب سے عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہونے کی بجائے متاثر ہوتے ہیں۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ علیؓ کے عہد خلافت کا ہے جس میں وہ بذاتِ خود ایک فریق کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوتے ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ آپؓ کی زرہ چوری ہوگئی، جس کا دعوی ایک ذمی پر تھا۔ آپؓ نے اپنا مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت میں قاضی نے مخاطب ہو کر کہا: ابوتراب! اپنے فریق کے برابر بیٹھیے۔

قاضی نے محسوس کیا کہ یہ بات علیؓ کو بری لگی ہے، چنانچہ وہ بولے، "ابوتراب! مساوات کا تقاضا یہی ہے کہ آپ اپنے فریق کے برابر بیٹھیں"............ علیؓ نے جواب دیا کہ " مجھے جو چیز ناگوار

گزری ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے کنیت کے ساتھ خطاب کیا ہے اور اس طرح میرے فریق کے مقابلے میں میری عزت افزائی کی ہے۔ یہ میرے فریق کے ساتھ صریح ناانصافی ہے۔"(14)

اس وقعہ میں دو تین امور بڑے واضح ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام کے قانونِ عدل کا تقاضا ہے کہ فریقین کی نشست برابر ہو۔ دوسرا یہ کہ ایک فریق کا احترام اور عزت افزائی دوسرے فریق کے حق میں صریح ناانصافی ہے۔ اور تیسرا یہ کہ عدالت میں حاکم اور محکوم یا افسر اور ماتحت دونوں یکساں حیثیت رکھتے ہیں کسی ایک فریق کو دوسرے پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں ہوگی۔

ان تمام ارشادات ربانی اور واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ: فریقین کا معاملہ باہمی طور سے حل نہ ہو سکنے کی صورت میں تیسرے فریق کو فیصلے کا اختیار تفویض ہوگا جسے مدعی اور ملزم پر بالادستی حاصل ہوگی۔ تحکیم کا یہ ادارہ فریقین کو اپنی صفائی کا پورا موقع دیگا اور ان کی نشست برابر رکھے گا۔ کسی کے عہدے اور بلند مرتبے کیوجہ سے اس کا کسی بھی طرح سے لحاظ نہیں کیا جائیگا اور یہ کہ فریقین میں سے کوئی بھی تحکیم کے ادارے میں شامل نہیں ہوگا۔ اس بحث سے ایک ضمنی بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ مقدمے کی سماعت اور فیصلے میں کوئی تاخیر نہیں ہوتی بلکہ فوری طور سے اس کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے۔

ان نکات کی روشنی میں جب یونیورسٹی ایکٹ کی دفعہ 39 اور 21 کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ مذکورہ بالا نکات سے متصادم نظر آتا ہے۔ وہ یوں کہ

الف۔ عام طور پر ملازم/ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کیلئے سنڈیکیٹ کے اجلاس میں طلب نہیں کیا جاتا تا کہ وہ اپنا دفاع کر سکے۔ جب کہ دوسرا فریق یعنی وائس چانسلر اجلاس میں موجود رہتا ہے۔

ب۔ افسر اور ماتحت/ مدعی اور ملزم میں کسی طور برابری نہیں پائی جاتی۔ فریق اول یعنی وائس چانسلر تو پوری عزت اور احترام کے ساتھ اجلاس میں موجود ہوتا ہے جبکہ دوسرا فریق یعنی ملازم/ملزم سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔

ج۔ فریق دوم یعنی ملازم کو اگر سنڈیکیٹ میں بلا بھی لیا جاتا ہے تو وہ بطور ملزم پیش ہوتا ہے جبکہ وائس چانسلر فریق کی بجائے Pannel of Judges کے سربراہ کی حیثیت سے کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔

د۔ وائس چانسلر کی موجودگی سے بہر حال ان کا فیصلہ پر اثر انداز ہونے کا امکان موجود رہتا ہے۔ کیونکہ نامزد ارکان تو اس کے مرہون منت اور "زیر احسان" ہوتے ہیں جبکہ منتخب اساتذہ ممبران اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔

ھ۔ مذکورہ دفعات کسی کیس کے فیصلے کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات ایسے متنازعہ کیس طویل عرصہ سے انصاف کی دہلیز پر ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں اور ان کا فیصلہ نہیں ہو پاتا۔

ان وجوہات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایکٹ کی مذکورہ دفعات شریعتِ اسلامی اور اس کے عدل و انصاف کے تقاضوں سے متصادم ہیں اور تبدیلی کی مقتضی ہیں۔

تجویز

لہذا ان دفعات کو شریعت اسلامی سے ہم آہنگ کرنے کیلئے فریقین میں مساوات اور برابری کا انتظام ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب کیس سنڈیکیٹ میں بحث کیلئے پیش ہو تو وائس چانسلر باہر چلا جائے اور اس کی جگہ پہلے سے نامزد کردہ ڈین یا پروفیسر کی زیر صدارت کیس پر بحث اور غور ہو اور بالکل آزادانہ ماحول میں گفتگو اور فیصلہ ہونے کے بعد وائس چانسلر کو بلایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس دفعہ 39 میں یہ بھی توضیح ضروری ہے کہ ایسے Cases کا زیادہ سے زیادہ دو اجلاسوں میں فیصلہ کیا جائیگا۔

ان مندرجات کے شمول سے مذکورہ دفعہ بڑی حد تک شریعتِ اسلامی سے ہم آہنگ ہوگی اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں معاون ہوگی۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالقادر عودۃ، اسلام کا نظام قانون، مترجم و مرتب غلام علی، انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن آف سٹوڈنٹس آرگنائزیشن، ت۔ن۔ص ۴۱۔

2. The Gomal University Act, 1974, Section, 21, 39

۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۷۸)، ۱:۳۵۱

۴۔ قرآن، ۴:۳۵

۵۔ قرآن کے الفاظ میں:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله به بعضهم على بعض وبما انفقوا (۴:۳۴)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وللرجال عليهن درجة (۲:۲۲۸)

۶۔ قرآن: ۳۸:۲۲۔۲۴

۷۔ ایضاً، ۴۷:۹

۸۔ دیکھیے ۴:۶۰، ۶۵، ۱۰۷، ۱۰۹۔

۹۔ قرآن، ۵۳:۳۔۴

۱۰۔ ایضاً، ۴:۱۰۵

۱۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری (سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، ۱۹۸۰ء) ۳:۱۵۳

۱۲۔ قرآن ۴:۶۵

۱۳۔ الف۔ محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، طبع دوم (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۷۸) ص ۲۸۵

ب۔ شبلی نعمانی، الفاروق (اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۹۷۷ء) ص ۳۱۳

۱۴۔ بنیادی حقوق، ص ۲۸۵۔